مکرم محمد مقصود احمد منیب صاحب

آنحضرت ﷺ کا دشمنوں سے حسن سلوک

﴿قسط دوم آخر﴾

نفرت کو محبت سے بدلنے کا انقلاب

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظرف دیکھو کہ اپنے محبوب چچا کا کلیجہ چبانے والی ہند کو بھی معاف فرما کر ہمیشہ کیلئے اس کا دل جیت لیا۔ ہند پر آپؐ کے عفو و کرم کا ایسا اثر ہوا کہ اس کی کایا ہی پلٹ گئی۔ اس نے اپنا دل بھی شرک و بت پرستی سے پاک کیا اور گھر میں موجود تمام بت توڑ کر نکال باہر کئے۔ اسی شام ہند نے رسول اللہ ﷺ کے لئے ضیافت کے اہتمام کی خاطر دو بکرے ذبح کروائے اور بھون کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھجوائے۔ خادمہ کے ہاتھ پیغام بھجوایا کہ ہند بہت معذرت کرتی ہیں کہ آج کل جانور کم ہیں اس لئے جو حقیر سا تحفہ پیش کرنے کی توفیق پا رہی ہوں یہی قبول فرمالیں۔ ہمارے محسن آقا و مولا نے جو کسی کے احسان کا بوجھ اپنے اوپر نہ رکھتے تھے۔ اسی وقت دعا کی کہ:

''اے اللہ ہند کے بکریوں کے ریوڑ میں بہت برکت ڈال دے''۔

یہ دعا بڑی شان کے ساتھ پوری ہوئی۔ ہند کی بکریوں میں ایسی برکت پڑی کہ سنبھالی نہ جاتی تھیں۔ پھر تو ہند رسول خدا کی دیوانی ہوگئیں، خود کہا کرتی تھیں کہ یا رسول اللہ ﷺ ایک وقت تھا جب آپ کا گھر میری نظر میں دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل اور حقیر تھا، مگر اب یہ حال ہے کہ روئے زمین پر تمام گھرانوں سے معزز اور عزیز مجھے آپ ﷺ کا گھر ہے۔ (السیرۃ الحلبیۃ جلد3 ص118)

دشمن اسلام صفوان پر احسان

صفوان بن امیہ کا شمار مشرکین مکہ کے ان سرداروں میں ہوتا ہے جو عمر بھر مسلمانوں سے نبرد آزما رہے۔ فتح مکہ کے موقع پر عکرمہ کے ساتھ مل کر صفوان مسلمانوں کے اعلان امن کے باوجود خالد بن ولیدؓ کے اسلامی دستے پر حملہ آور ہوئے۔ پھر بھی نبی کریم ﷺ نے صفوان کے لئے بطور خاص کسی سزا کا اعلان نہیں فرمایا۔ مکہ فتح ہونے کے بعد یہ خود سخت نادم اور شرمندہ ہو کر یمن کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ چونکہ اپنے جرائم سے خوب واقف تھا اور اپنے خیال میں ان کی معافی کی کوئی صورت نہ پاتا تھا۔ اس کے چچا حضرت عمیر بن وہبؓ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ ﷺ نے تو ہر اسود و احمر کو امان دے دی ہے۔ اپنے چچا زاد کا بھی خیال کیجیے اور اسے معاف فرمایئے۔ نبی کریم ﷺ نے صفوان کو بھی معاف فرمادیا۔ حضرت عمیرؓ نے عرض کیا کہ مجھے اپنی امان کا کوئی نشان بھی عطا فرمائیں۔ رسول اللہؐ نے اپنا وہ سیاہ عمامہ معافی کی علامت کے طور پر اتار کر دے دیا جو فتح مکہ کے روز آپ نے پہنا ہوا تھا۔ عمیرؓ نے جا کر صفوان کو معافی کی خبر دی تو اسے یقین نہ آتا تھا کہ اسے بھی معافی ہو سکتی ہے۔ اس نے عمیرؓ سے کہا:

''جھوٹ نہ بولو مجھ سے! میری نظروں سے دور ہو جاؤ، میرے جیسے انسان کو کیسے معافی مل سکتی ہے؟ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔''

حضرت عمیرؓ نے اسے سمجھایا کہ نبی کریم ﷺ تمہارے تصور سے بھی کہیں زیادہ بہت احسان کرنے والے اور حلیم و کریم ہیں، ان کی عزت تمہاری عزت اور ان کی حکومت تمہاری حکومت ہے۔ اس یقین دہانی پر صفوان نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آتے ہی پہلا سوال یہی دریافت کیا کہ کیا آپ نے مجھے امان دی ہے؟ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہاں میں نے تمہیں امان دی ہے۔ صفوان نے عرض کیا کہ مجھے دو ماہ کی مہلت دے دیں کہ اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے مکہ میں ٹھہروں، نبی کریم ﷺ نے چار ماہ کی مہلت عطا فرمائی، یوں اپنے بدترین دشمن سے بھی اعلیٰ درجہ کا حسن سلوک کر کے خلق عظیم کی شاندار مثال قائم فرمادی۔

(موطا امام مالک کتاب النکاح باب نکاح المشرک اذا اسلمت زوجتہ)

بالآخر چند ہی دنوں میں آپ نے صفوان کا دل اپنے جود و سخا سے جیت لیا۔ طائف کے محاصرہ سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ ایک وادی کے پاس سے گزرے۔ جہاں نبی کریم ﷺ کے مال خمس وفیئی کے جانوروں کے ریوڑ چر رہے تھے۔ صفوان حیران ہو کر طمع بھری آنکھوں سے ان کو دیکھنے لگا، رسول اللہ ﷺ صفوان کو دیکھ رہے تھے، فرمانے لگے:

''اے صفوان! کیا یہ جانور تجھے بہت اچھے لگ رہے ہیں؟ اس نے کہا: ''ہاں!'' آپ نے فرمایا ''جاؤ یہ سب جانور میں نے تمہیں بخش دیئے''۔ صفوان بے اختیار یہ کہہ اٹھا کہ خدا کی قسم! اتنی بڑی عطا اور ایسی دریا دلی اتنی خوش دلی سے سوائے نبی کے کوئی نہیں کرسکتا یہ کہہ کر وہیں رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں ڈھیر ہو گیا اور اسلام قبول کرلیا۔

(السیرۃ النبویۃ لابن ھشام جلد4 ص60)

وحشی قاتل حمزہؓ سے درگزر

واجب القتل مجرموں میں وحشی بن حرب بھی تھا۔ جس نے اپنی غلامی سے آزادی کے لالچ میں غزوۂ احد میں سامنے آکر مقابلہ کرنے کی بجائے چھپ کر حضرت حمزہؓ پر قاتلانہ حملہ کر کے انہیں شہید کیا تھا۔ فتح مکہ کے بعد وحشی طائف کی طرف بھاگ گیا۔ بعد میں مختلف علاقوں سے سفارتی وفود نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ وحشی کو کسی نے مشورہ دیا کہ نبی کریم ﷺ سفارتی نمائندوں کا بہت احترام کرتے ہیں۔ بجائے چھپ چھپ کر زندگی گزارنے کے تم بھی کسی وفد کے ساتھ دربار نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر عفو کی بھیک مانگ لو۔ چنانچہ وہ طائف کے سفارتی وفد کے ساتھ آیا۔ رسول اللہ ﷺ سے آپ کے چچا کے قتل کی معافی چاہی۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا تم وحشی ہو؟ اس نے کہا ''جی حضور! اب میں اسلام قبول کرتا ہوں۔'' آپ نے فرمایا ''حمزہ کو تم نے قتل کیا تھا؟'' اس نے اثبات میں جواب دیا۔ آپ نے اس واقعہ کی تفصیل پوچھی۔ اس نے بتایا کہ کس طرح تاک کر اور چھپ کر ان کو نیزا مارا اور شہید کیا تھا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کی اپنے محبوب چچا کی شہادت کی یاد ایک بار پھر تازہ ہو گئی۔ صحابہؓ نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ رسول کریم ﷺ نے کمال شفقت اور حوصلہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''جاؤ اے وحشی! میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ کیا تم اتنا کر سکتے ہو کہ میری نظروں کے سامنے نہ آیا کرو؟ تا کہ اپنے پیارے چچا کی المناک شہادت کی دکھ بھری یاد مجھے بار بار ستاتی نہ رہے''۔

وحشی نے رسول اللہ ﷺ کا یہ حیرت انگیز احسان دیکھا تو آپ ﷺ کے حسن خلق کا معترف ہو کر صدق دل سے مسلمان ہوا اور حضرت حمزہؓ کے قتل کا کفارہ ادا کرنے کی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر اس نے اپنے دل میں یہ عہد کیا کہ اب میں اسلام کے کسی بڑے دشمن کو ہلاک کر کے حضرت حمزہؓ کے قتل کا بدلہ چکاؤں گا۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں مسیلمہ کذاب کو قتل کر کے کیفر کردار تک پہنچانے والا یہی وحشیؓ تھا جس کا دل محمد مصطفی ﷺ نے محبت سے جیت لیا تھا۔ (السیرۃ الحلبیۃ جلد3 ص118)

حارث اور زہیر کی معافی

حارث بن ہشام اور زہیر بن امیہ بھی عکرمہ اور صفوان کے ساتھیوں میں سے تھے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی امان قبول کرنے کی بجائے مزاحمت کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ فتح مکہ کے بعد پشیمان تھے کہ نامعلوم اب ان کے ساتھ کیا سلوک ہو۔ چنانچہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی چچازاد بہن ام ہانیؓ سے معافی کے لئے سفارش چاہی۔ یہ دونوں ان کے سسرالی عزیز تھے۔ حضرت ام ہانیؓ نے انہیں امان دے کر اپنے گھر میں ٹھہرایا۔ پہلے اپنے بھائی حضرت علیؓ سے ان کی معافی کے لئے بات کی۔ حضرت علیؓ نے صاف جواب دیا کہ ایسے معاندین اسلام کو تو میں خود اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔ تب ام ہانیؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ ذرا سوچئے دو ظالم دشمنان اسلام کے لئے ایک عورت کی امان کیا حیثیت رکھتی ہے؟ مگر ام ہانیؓ نے نبی کریمؐ کی خدمت میں جا کر عرض کیا کہ میرا بھائی علی کہتا ہے کہ وہ اس شخص کو جسے میں نے امان دی ہے قتل کرے گا۔ آنحضرتؐ کی وسعت حوصلہ دیکھو آپؐ نے فرمایا ''اے ام ہانی! جسے تم نے امان دی اسے ہم نے امان دی۔'' چنانچہ ان دونوں دشمنان اسلام کو بھی معاف کر دیا گیا۔

(السیرۃ النبویۃ لابن ھشام جلد4 ص92)

حارثؓ بن ہشام کو جو قریش کے سرداروں میں سے تھے۔ نبی کریمؐ نے صرف معاف ہی نہیں فرمایا، سواونٹوں کا تحفہ بھی عطا کیا۔ بعد میں یہ غزوہ یرموک میں شامل ہوئے اور اس میں شہید ہوئے۔ یہ وہی حارثؓ ہیں جنہوں نے اپنے دو زخمی مسلمان بھائیوں عکرمہؓ اور سہیلؓ کو پیاسا دیکھ کر خود پانی پینے کی بجائے انہیں پلانے کا اشارہ کیا اور یوں ایثار کرتے ہوئے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر دی تھی۔

(اسدالغابہ جلد1 ص52 ,3 351)

حارثؓ بن ہشام کا اپنا بیان ہے کہ جب ام ہانیؓ نے مجھے اطلاع دی کہ رسول اللہؐ نے ان کی پناہ قبول فرمالی ہے تو کوئی بھی مجھ سے تعرض نہیں کرتا تھا۔ البتہ مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ڈر تھا لیکن وہ بھی ایک دفعہ میرے پاس سے گزرے میں بیٹھا ہوا تھا مگر انہوں نے بھی کوئی تعرض نہ کیا۔ اب مجھے صرف اس بات کی شرم تھی کہ میں رسول اللہ ﷺ کو کیا منہ دکھاؤں گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھنے سے مجھے وہ تمام باتیں اور اپنی وہ دشمنیاں یاد آجائیں گی جو میں ہر موقع پر آپ کے خلاف مشرکوں کے ساتھ مل کر کرتا رہا تھا لیکن جب میں آنحضور ﷺ سے ملا، اس وقت وہ مسجد میں داخل ہو رہے تھے۔ آپ ﷺ کمال شفقت سے میری خاطر رک گئے۔ نہایت خندہ پیشانی اور بشاشت سے میرے ساتھ ملاقات فرمائی۔ تب میں نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرلیا اور حق کی گواہی دے دی۔ آنحضور ﷺ نے اس موقع پر فرمایا کہ سب حمد اس اللہ کی ہے جس نے تمہیں ہدایت دی۔ تمہارے جیسا عقل مند انسان اسلام سے کس طرح لاعلم اور دور رہ سکتا تھا۔

(السیرۃ الحلبیۃ جلد3 ص117)

دلوں کی فتح

رحمۃ للعالمین ﷺ اہل مکہ کے لئے امان کا اعلان کرتے ہوئے خانہ کعبہ پہنچتے ہیں اور بعض بد بخت یہ منصوبے بنا رہے ہیں کہ اگر آج اس عظیم فاتح کو قتل کر دیا جائے تو مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل جاسکتی ہے۔ طواف کے وقت ایک شخص فضالہ بن عمیر آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آپؐ کے قریب آیا۔ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو اس کے ناپاک منصوبے کی اطلاع کر دی۔ آپ نے نام لے کر بلایا تو وہ گھبرا گیا۔ آپ نے پوچھا۔ ''کس ارادہ سے آئے ہو؟'' تو وہ جھوٹ بول گیا۔

آپ مسکرائے اور اسے اپنے قریب کر کے پیار سے اس کے سینے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ فضالہ بعد میں کہا کرتا کہ جب آنحضرت ﷺ نے میرے سینے پر ہاتھ رکھا تو میری تمام نفرت دور ہوگئی اور مجھے یوں لگا کہ دنیا میں سب سے پیارے محمد ﷺ ہیں۔ فضالہ نے اس حسن سلوک سے متاثر ہو کر اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔ (السیرۃ النبویۃ لابن ھشام جلد 4 ص 59)

حضرت جعدہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک شخص کو پکڑ کر لایا گیا اور عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہؐ! یہ آدمی آپؐ کے قتل کے ارادے سے آیا تھا۔ نبی کریمؐ اسے فرمانے لگے گھبراؤ نہیں اور ڈرو مت اگر تم نے میرے قتل کا ارادہ کیا بھی تھا تو بھی اللہ تجھے میرے قتل پر مسلط نہ کرتا اور اس کی توفیق نہ دیتا۔

(دلائل النبوۃ ابی نعیم جلد 1 ص 233)

حضرت عبید بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول کریمؐ سے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ کے پاس کوئی بھی معاملہ پیش ہوا جس میں اللہ کے کسی ایسے حکم کو نہ توڑا گیا ہو جس کے نتیجہ میں حد لازم آتی ہے۔ (جیسے زنا، قتل وغیرہ) تو آپ نے ہمیشہ عفو سے کام لیا۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 1 ص 368)

دشمن پر احسان

محاصرۂ طائف سے واپسی پر مشہور شاعر کعب بن زہیر آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دراصل ان کے والد زہیر نے اہل کتاب کی مجالس میں ایک نبی کی آمد کا ذکر سن رکھا تھا اور اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ اسے قبول کریں۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت پر ان کے ایک بیٹے بجیرؓ نے تو اسلام قبول کر لیا۔ جب کہ کعب رسول اللہ ﷺ اور مسلمان خواتین کی عزت پر حملہ کرتے ہوئے گندے اشعار کہتا تھا اور اس بنا پر رسول اللہ ﷺ نے اس کے قتل کا حکم دیا تھا۔

کعب کے بھائی نے اسے لکھا کہ مکہ فتح ہو چکا ہے اس لئے تم آ کر رسول اللہ ﷺ سے معافی مانگ لو۔ چنانچہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں ایک قصیدہ لکھا جو ''بانت سعاد'' کے نام سے مشہور ہے۔ وہ مدینہ آ کر اپنے ایک جاننے والے کے پاس ٹھہرا۔ اہل مدینہ میں اسے کوئی پہچانتا نہ تھا۔ اس نے فجر کی نماز نبی کریم ﷺ کے ساتھ مسجد نبوی میں جا کر ادا کی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنا تعارف کرائے بغیر کہنے لگا کہ یا رسول اللہ! کعب بن زہیر تائب ہو کر آیا ہے اور معافی کا خواستگار ہے اگر اجازت ہو تو اسے آپ کی خدمت میں پیش کیا جائے؟ آپ نے فرمایا ''ہاں'' تو کہنے لگا ''میں ہی کعب بن زہیر ہوں'' یہ سنتے ہی ایک انصاری کے اسے قتل کرنے کے لئے اٹھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں اب اسے چھوڑ دو، یہ معافی کا خواستگار ہو کر آیا ہے۔ پھر اس نے اپنا قصیدہ آنحضور ﷺ کی شان میں پیش کیا جس میں یہ شعر بھی پڑھا۔

ان الرسول لسیفٌ یستضاء بہ
مھندٌ من سیوف اللہ مسلول'

کہ یہ رسول ﷺ ایک ایسی تلوار ہے جس کی چمک سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ یہ زبردست سونتی ہوئی ہندی تلوار ہے جو اللہ کی تلواروں میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ یہ قصیدہ سن کر بہت خوش ہوئے اور اپنی چادر دست مبارک سے بطور انعام اس کے اوپر ڈال دی۔ یوں یہ دشمن رسول بھی آپ ﷺ کے دربار سے معافی کے ساتھ انعام بھی لے کر لوٹا۔ (السیرۃ الحلبیہ جلد 3 ص 214,215)

الغرض رسول اللہ ﷺ کا دامن لطف و احسان و عفو اتنا وسیع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت عفو کی شان جمال اس میں جھلکتی نظر آتی ہے اور آپ ﷺ اس صفت کے بھی کامل مظہر ثابت ہوتے ہیں۔

ٹالسٹائی کی طرف سے
خراج تحسین

اپنے تو اپنے غیر بھی آنحضرت ﷺ کے احسانات کا تذکرہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ ایک مشہور فلاسفر ٹالسٹائی لکھتا ہے:

اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہو سکتا کہ (حضرت) محمد (ﷺ) حقیقت میں بڑے عظیم الشان مصلحین میں سے تھے آپ ﷺ نے نسل انسانی کی بہترین خدمات سرانجام دی ہیں۔ یہ آپ ﷺ ہی کو فخر حاصل ہے کہ ایک ملک کو صداقت کی روشنی سے منور کر دیا اور تمام عرب کو ان کی خانہ جنگیوں سے نکال کر، جن میں وہ مبتلا تھے، امن اور آرام کی زندگی بسر کرنا سکھائی۔ آپ نے عربوں کو متقی اور باخدا بنا دیا اور ان کو انسانی قربانی اور ایک دوسرے کو قتل و غارت کی بد رسوم سے جن میں وہ گرفتار تھے نجات بخشی۔

پس ظالم انسانوں کو معاف کرنے کا واقعہ ہو یا اونٹ کے بلبلانے پر آپ ﷺ کے بیقرار ہو جانے کا قصہ۔ چڑیا کی اپنے بچوں سے جدائی پر آپ کا تکلیف محسوس کرنا ہو یا کھجور کے تنے کے رونے کی آواز پر اس کو سہلانے کا دردناک منظر۔ یہ سب واقعات ہمیں ہر ایک چیز پر وسیع اور محیط آنحضرت ﷺ کے احسان عظیم کا پتہ دیتے ہیں۔ پھر کیونکر دل بے ساختہ نہ پکارے کہ:

بھیج درود اس محسنؐ پر تو دن میں سو سو بار
پاک محمد مصطفیٰؐ نبیوں کا سردار

جان و دلم فدائے جمال محمدؐ است
خاکم نثار کوچۂ آل محمدؐ است
ایں چشمۂ رواں کہ بخلق خدا دہم
یک قطرۂ زبحر کمال محمدؐ است

کلام محمود سے منتخب اشعار

عشق الٰہی

مئے عشق خدا میں سخت ہی مخمور رہتا ہوں
یہ ایسا نشہ ہے جس میں میں ہر دم چور رہتا ہوں
اے مرے مولیٰ، مرے مالک، مری جاں کی سپر
مبتلائے رنج و غم ہوں جلد لے میری خبر

عشق رسول ﷺ

کروڑ جاں ہو تو کردوں فدا محمدؐ پر
کہ اس کے لطف و عنایات کا شمار نہیں
دیکھ لینا ایک دن خواہش مری بر آئے گی
میرا ہر ذرہ محمدؐ پر فدا ہو جائے گا

عشق قرآن

ہے قرآن میں جو سرور اور لذت
نہ ہے مثنوی میں نہ بانگ درا میں
بھلاؤں یاد سے کیونکر کلام پاک دلبر ہے
جدا مجھ سے تو اک دم کو بھی قرآں ہو نہیں سکتا

عشق مسیح موعود

فدا تجھ پر مسیحا! میری جاں ہے
کہ تو ہم بے کسوں کا پاسباں ہے
مسیحا سے کوئی کہہ دو یہ جا کر
مریض عشق تیرا نیم جاں ہے

قوم کا درد

مدت سے پارہ ہائے جگر کھا رہا ہوں میں
رنج و محن کے قبضہ میں آیا ہوا ہوں میں
میری کمر کو قوم کے غم نے دیا ہے توڑ
کس ابتلاء میں ہائے ہوا مبتلا ہوں میں
کہتا ہوں سچ کہ فکر میں تیری ہی غرق ہوں
اے قوم! سن کہ تیرے لئے مر رہا ہوں میں
میں رو رہا ہوں قوم کے مرجھائے پھول پر
بلبل تو کیا ہے اس سے کہیں خوشنوا ہوں میں

نوائے محمود

ہائے وہ دل کہ جسے طرز وفا یاد نہیں
وائے وہ روح جسے قول بلیٰ یاد نہیں
درد دل، سوز جگر، اشک رواں تھے مرے دوست
یار سے مل کے کوئی بھی تو رہا یاد نہیں
ہم وہ ہیں پیار کا بدلہ جنہیں ملتا ہے پیار
بھولے ہیں روز جزا اور جزا یاد نہیں

نصائح

عہد شکنی نہ کرو اہل وفا ہو جاؤ
اہل شیطاں نہ بنو اہل خدا ہو جاؤ
گرتے پڑتے در مولیٰ پہ رسا ہو جاؤ
اور پروانے کی مانند فدا ہو جاؤ
حق کے پیاسوں کے لئے آب بقا ہو جاؤ
خشک کھیتوں کے لئے کالی گھٹا ہو جاؤ
امر معروف کو تعویذ بناؤ جاں کا
بے کسوں کے لئے تم عقدہ کشا ہو جاؤ

نونہالان جماعت! مجھے کچھ کہنا ہے
پر ہے یہ شرط کہ ضائع مرا پیغام نہ ہو
خدمت دین کو اک فضل الٰہی جانو
اس کے بدلے میں کبھی طالب انعام نہ ہو
دل میں نخوت نہ ہو آنکھوں میں نہ ہو برق غضب
دل میں کینہ نہ ہو لب پر کبھی دشنام نہ ہو
خیر اندیشی احباب رہے مدنظر
عیب چینی نہ کرو مفسد و نمام نہ ہو
چھوڑ دو حرص، کرو زہد و قناعت پیدا
زر نہ محبوب بنے سیم دل آرام نہ ہو
امن کے ساتھ رہو فتنوں میں حصہ مت لو
باعث فکر و پریشانی، حکام نہ ہو
رغبت دل سے ہو پابند نماز و روزہ
نظر انداز کوئی حصۂ احکام نہ ہو

مکرمہ امۃ الرفیق طاہرہ صاحبہ

میری امی جان محترمہ سعیدہ بیگم صاحبہ کی یاد میں

اہلیہ حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب خالد احمدیت

میری امی جان جو خلافت کی سچی فدائی، اپنے عظیم شوہر (حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب خالد احمدیت) کی رفیقۂ حیات، اپنے نفس اور خواہشات پر ہمیشہ دوسروں کو مقدم رکھنے والی تھیں۔

امی جان مجھے اور میری بہن امۃ السمیع راشدہ کو اکثر پیار سے کہا کرتیں کہ یہ دونوں تو میری عیدیاں ہیں جو عید کے دن پیدا ہوئیں۔ کیونکہ وہ عید الفطر کے دن پیدا ہوئی تھیں اور میں عید الاضحیٰ کے دن۔

امی جان کی شادی سے قبل ہماری پہلی امی زینب بیگم صاحبہ صرف 22 سال کی عمر میں تین بچوں کو چھوڑ کر وفات پا گئی تھیں۔ مختصر طور پر ان کا ذکر بھی کرنا چاہوں گی۔ بڑی امی زینب بیگم نے کل 9 سال ابا جان کے ساتھ گزارے۔ آپ کی وفات کے بعد اس وقت ابا جان کی کیا ذہنی کیفیت ہوگی۔ کیونکہ آپ سب بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ آپ سے چھوٹے تین بھائی اور دو بہنیں نیز بزرگ والدین اور تین کم سن بچے۔ ایسی حالت میں رفیقہ حیات نہایت مختصر ساتھ نبھا کر رخصت ہوگئیں۔ یہ سب ذمہ داریاں تھیں اور ایک مجاہد احمدیت۔ اس موقع پر ابا جان نے تحریر کیا:

''میری رفیقۂ حیات مشکلات و محن میں برابر کی شریک اور مونس و غمخوار دس سال 11 جنوری کی درمیانی شب ٹھیک دو بجے 22 سال کی عمر میں اس دنیا سے سدھار گئیں۔ ...... 7 دسمبر 1920ء کو ہم رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے۔ بعد ازاں نو برس کے عرصہ میں کئی مشکلات آئیں۔ مگر وہ ہمیشہ نہ صرف خود صبر کرتیں بلکہ میری تسلی کا ذریعہ بنتیں۔ اگر کبھی فاقہ بھی کرنا پڑا تو بھی خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ میری دینی ضروریات میں ان کا وجود بسا غنیمت تھا۔ سلسلہ کے لئے غیرت تھی اور خدمت دین کا شوق۔ اپنی بساط کے مطابق مالی خدمت کے علاوہ چھوٹے چھوٹے کاموں کے ذریعہ ثواب حاصل کرنے کے درپے رہتی تھیں۔ میں جب کوئی ٹریکٹ وغیرہ شائع کرتا تو بسا اوقات فقرے درست کرنے اور پیک کرنے میں ممد و معاون بنتیں۔ لجنہ اماء اللہ قادیان کی ممبر تھیں۔ اگرچہ خود زیادہ تعلیم یافتہ نہ تھیں، مگر اپنے بچوں کے متعلق بہت بلند خیالات رکھتی تھیں۔ قادیان کی مستقل رہائش کے لئے بھی ایک بلند مقام پر وگرام بنا رکھا تھا۔

مرحومہ کی یادگار تین بچے ہیں۔ دو لڑکیاں اور ایک لڑکا۔

(روزنامہ الفضل قادیان۔ 17 جنوری 1930ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے 17 جون 1930ء کو محترم نانا جان حضرت محمد عبداللہ بوتالوی کو ایک خط کے ذریعہ ابا جان سے محترمہ امی جان کے رشتہ کی تحریک فرمائی۔

والد صاحب نے جب آپ سے اس رشتہ کے متعلق رائے حاصل کرنے کے لئے خط لکھا اور واضح کیا کہ ہرگز خود پر کسی قسم کا جبر محسوس نہ کریں اور بغیر دباؤ کے فیصلہ کریں۔ تو آپ نے فیصلہ کرتے ہوئے یہ نہیں لکھا کہ میری بھی رائے ہے یا میں آپ سے اتفاق کرتی ہوں بلکہ کہا ''مجھے حضرت صاحب کا حکم سر آنکھوں پر منظور ہے''۔

(ماہنامہ الفرقان۔ دسمبر 1959ء صفحہ 5)

چنانچہ 12/اگست 1930ء کو بعد نماز عصر یہ بابرکت نکاح ہوا اور 29 نومبر 1930ء کو شادی ہوئی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے بھی اس تقریب میں شمولیت فرمائی۔

پیارے ابا جان نے امی جان کے متعلق تحریر کیا۔

''نیک بیوی اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہوتا ہے۔ میری پہلی ایثار پیشہ بیوی کی وفات کے بعد بے ماں کے چھوٹے تین بچوں کی پرورش کا بھی بڑا سوال تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے دل میں ڈالا اور آپ نے خود تحریک فرما کر حضرت مولوی محمد عبداللہ صاحب بوتالوی مرحوم کی صاحبزادی محترمہ سعیدہ بیگم صاحبہ سے میرا نکاح پڑھا۔ آخر نومبر 1930ء سے اب تک میری دوسری اہلیہ محترمہ ہر عسر و یسر میں نہایت خلوص اور محبت سے میرے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت دے۔ آمین، میری موجود بیوی نے میرے پہلے تینوں بچوں، تینوں بھائیوں، دو بہنوں کو میری والدہ محترمہ کی زیر نگرانی اس محبت سے پالا کہ بیگانگت کا احساس مفقود رہا۔ اس عرصہ میں میں چار پانچ سال تک بلاد عربیہ میں بھی رہا''۔

(ماہنامہ الفرقان۔ اپریل 1975ء صفحہ 45)

شادی کے وقت امی جان کی عمر 16 سال تھی۔ شادی کے چھ ماہ بعد ابا جان فلسطین تشریف لے گئے۔ خط بھی مہینوں بعد آتے۔ آج کے زمانہ کے لحاظ سے دیکھا جائے تو ایک سولہ سالہ لڑکی پر اتنی ذمہ داری جب کہ خاوند بھی بیرون ملک ہو اور مالی تنگی بھی ہو عجیب اور ناممکن سا نظر آتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہی تو وہ قربانی کی روح اور خاموش قربانیوں کی داستانیں تھیں جنہیں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے اپنے خطبات کے سلسلہ میں ذکر فرما کر ساری دنیا کے احمدیوں کے سامنے زندہ کر دیا۔ ایک دفعہ جب میں بی اے میں پڑھ رہی تھی، میرے دل میں خیال آیا کہ امی جان کے لئے ایک سوٹ بناؤں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ کس رنگ کا سوٹ آپ کے لئے بناؤں؟ کچھ دیر سوچ کر کہنے لگیں۔

''میری پسند کا رنگ تو مجھے پتہ ہی نہیں'' میں نے کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے کوئی رنگ تو آپ کو پسند ہوگا۔ سبز، سرخ، نیلا کوئی بھی رنگ جو آپ کو اچھا لگتا ہو۔ کہنے لگیں۔ میں نے اپنی پسند ہی ختم کرلی تھی گھر میں ہی آپ کے ابّا جان سب کے لئے کپڑے لے آتے تھے۔ میں سب کپڑے سامنے رکھ دیتی تھی کہ سب اپنی اپنی پسند کے لے لیں۔ اور جو بھی آخر میں رہ جاتا تھا میں بنا لیتی تھی۔

امی جان میں سلیقہ اور کفایت شعاری بدرجہ اتم موجود تھیں۔ گھر کو ہمیشہ صاف ستھرا رکھتیں۔ کیونکہ ربوہ میں تو عموماً بغیر اطلاع کے اچانک ہی مہمان آتے رہتے تھے۔ اسی وجہ سے بیسن کی سویاں، نمک پارے وغیرہ گھر میں بنا کر رکھتیں تاکہ ہر وقت بازار ہی سے نہ منگوانا پڑے۔ گھر میں جگہ جگہ ڈسٹ بن رکھے ہوتے تاکہ چھلکا یا کاغذ وغیرہ اس میں ڈالے جاسکیں۔ موسم گرما میں خود ہی گھر میں دیواروں وغیرہ پر سفیدی کرلیتیں اسی طرح روغن منگوا کر کرسیاں اور میزیں خود پالش کرلیتیں۔ اور ابا جان جب دفتر سے آتے تو ہنس کر کہتے ''سعیدہ جی یہ کرسیاں تو نئی ہوگئی ہیں، اس پر بہت خوش ہوتیں۔

مجھ سے بڑی بہن امۃ السمیع کی شادی کا وقت تھا۔ امی جان نے اپنے دونوں صندوق خالی کئے اور سب کپڑے نکالے تاکہ پسند کرلے اور کپڑے تیار کئے جاسکیں۔ بھابھی جان امۃ الباسط صاحبہ اور میں پاس ہی تھی۔ بھابھی جان کہنے لگیں میری طرف اشارہ کر کے کہ کچھ اس کے لئے بھی رکھ لیں۔ اس کی بھی کچھ عرصہ میں آپ نے شادی کرنی ہے۔ بڑے عزم اور توکل سے فرمایا جب اس کا وقت آئے گا اللہ تعالیٰ خود ہی انتظام کر دے گا۔ مجھے اس وقت فکر ہے کہ سب کچھ اچھا ہو جائے۔ اور واقعی جب میری شادی کا وقت آیا اللہ تعالیٰ نے اچھا انتظام کر دیا۔ کیونکہ اصل دولت تو والدین کا پیار اور ان کی تربیت ہے ان چیزوں کی کوئی حقیقت نہیں شادی سے قبل مجھے کہنے لگیں اپنی پسند کے کوئی رنگ بتاؤ تاکہ وہ جوڑے بھی بنادوں۔ نجانے مجھے کیا خیال آیا میں نے کہا ایک سفید بنا دیں اور ایک کالا۔ سن کر ایک لمحہ خاموش رہیں پھر کہا۔

دیکھو تمہاری شادی غیروں میں ہو رہی ہے۔ بعض لوگ کالا رنگ اور سفید رنگ پسند نہیں کرتے تم بعد میں بنا لینا۔ میں خاموش ہوگئی اور کچھ نہ کہا اور نہ ہی دل میں برا منایا۔ حالانکہ میری بڑی بہن کے لئے کالا اور سفید سوٹ بنایا تھا۔ خدا کی شان کہ میرا شادی کا برقعہ سیاہ رنگ کا تھا۔ اور لیبیا جانے کے چند دن بعد میرے میاں نے مجھے کہا کہ تم سیاہ برقعہ نہ پہنو بلکہ بادامی رنگ کا بنالو۔ میں نے اطاعت کی اور فوراً کپڑا خرید کر خود ہی سی لیا۔ بعد میں مجھے علم ہوا کہ انہیں سفید اور سیاہ رنگ کے کپڑے پسند نہ تھے۔ تب مجھے امی جان کی بات کی حکمت یاد آئی۔

مجھے ہمیشہ محسوس ہوتا تھا کہ میرا امی جان سے عجیب تعلق ہے۔ اور ان کو بھی خاص پیار تھا۔ شادی کے فوراً بعد چونکہ میں نے لیبیا چلے جانا تھا۔ اس وجہ سے مجھے ان کا بہت احساس تھا۔ رخصتی کے دن امی جان کی کیفیت مجھے محسوس ہو رہی تھی۔ شاید ابا جان نے بھی اسے محسوس کرلیا تھا۔ لہٰذا چند تصاویر کے بعد ابا جان خود مجھے اپنی بیٹھک سے باہر گاڑی تک لے آئے اور امی جان اور کسی اور کو ملنے نہ دیا۔ میرے لئے یہ سب سرپرائیز تھا۔ میری بہنیں بعد میں مجھے کہتی رہیں کہ تم تو ہمیں مل کر بھی نہ گئیں حالانکہ میں تو خود حیران رہ گئی تھی۔

جب پیارے ابا جان کی وفات ہوئی تو امی جان کی شخصیت کا ایک نیا رنگ سامنے آیا۔ وفات اچانک تھی۔ سن کر جو پہلا فقرہ آپ کے منہ سے اناللہ کے بعد نکلا وہ اپنے غم کا اظہار نہ تھا بلکہ یہ کہا کہ میرے تو سب بچے پردیس میں ہیں ان پر کیا گزر رہے گی۔

ربوہ میں دونوں بھابھیوں اور بہنوں کو گلے لگایا اور تسلی و حوصلہ دیا۔ بیٹے سب باہر تھے۔ بیٹیوں میں سے دو ربوہ میں اور تین بیرون ملک۔ فوراً ہی نہایت تسلی، حوصلہ اور دعاؤں بھرے خطوط لکھے۔ تاکہ وہ نہ گھبرائیں۔ اور اپنی ہر تکلیف اور غم کو اپنے دل میں چھپالیا۔ مجھے اتنے پیارے خط لکھے کہ بیان سے باہر ہیں۔ افسوس کہ آپ کے خطوط کا قیمتی خزانہ لیبیا میں رہ گیا۔ انہیں یہ بہت احساس تھا کہ مجھے شادی کے بعد رخصت کیا اور پھر صرف چار ماہ بعد ابا جان کی وفات ہوگئی۔ اسی وجہ سے اکثر اس بات کا اظہار بھی کرتیں کہ تمہیں ابا جان کی کمی بہت محسوس ہوتی ہوگی۔ جو ایک اٹل حقیقت ہے۔

میں لیبیا سے پہلی دفعہ جب پاکستان گئی تو میرا بیٹا عزیزم سلیم ایک ماہ کا تھا۔ خدا نے اپنے فضل سے خوشی دی تھی۔ مگر پیارے ابا جان کی چھ ماہ قبل وفات کا گہرا غم دل میں تھا۔ امی جان نے اس موقع پر مجھے بھرپور حوصلہ اور سہارا دیا اور میں ان کی ہمت دیکھ کر حیران رہ گئی۔ سلیم کو نہلانا اور اس کے چھوٹے چھوٹے کام کہ اسے کس طرح سنبھالنا ہے۔ مجھے سب کچھ بتاتی رہیں۔ وہ چند دن ایسے تھے جب میں نے بہت سی باتیں ان سے سیکھیں۔

اکتوبر 1980ء میں میرے بیٹے عزیزم طارق کی ولادت ہوئی۔ آپ نے خود حضور کی خدمت میں خط لکھا جس میں نام رکھنے کی درخواست کی تھی۔ یہ خط حضور کے سامنے اس وقت پیش ہوا جب حضور بیت سپین کا سنگ بنیاد رکھنے کے بعد واپس تشریف لائے تھے اور ایک استقبالیہ تقریب میں مدعو تھے۔ حضور نے امی جان کا خط پڑھا خوش ہوئے مبارک دی اور فرمایا:

''میں نے سپین میں ارادہ کیا تھا کہ اب آئندہ ایک سو پیدا ہونے والے لڑکوں کے نام 'طارق' رکھوں گا۔ آج پہلا نام رکھ رہا ہوں جو مولانا ابوالعطاء صاحب کا نواسہ ہے''۔ اس طرح ہمیں یہ سعادت ملی۔

کافی عرصہ سے خواہش تھی کہ امی جان میرے گھر تشریف لائیں۔ لیکن کوئی صورت پیدا نہ ہوئی تھی۔ مارچ 1987ء میں میری طبیعت کافی خراب تھی ہم نے امی جان کے ویزا کا انتظام کیا تاکہ وہ لندن سے ہمارے پاس لیبیا آسکیں۔ چھوٹا بیٹا خالد

تقریباً 10 ماہ کا تھا۔ ایک دن میں کافی پریشان تھی۔ جب فون کیا تو شاید کچھ پریشانی کا اظہار ہوگیا اور عرض کر دیا کہ اگر آپ آسکیں تو ابھی آجائیں۔ امی جان کی محبت اور جذبہ دیکھیں۔ کہا میں کل ہی آجاؤں گی۔ میری سیٹ بک کروادیں۔ کریم طاہر صاحب نے اگلے دن کی سیٹ بک کروادی۔ اور فوری طور پر تیاری کر کے امی جان لیبیا آگئیں۔ مجھے ان کے آنے کی اس قدر خوشی تھی کہ بیان سے باہر ہے۔ چند دن بعد اللہ تعالیٰ نے بیٹی عزیزہ رضوانہ عطا فرمائی۔ امی جان ہر وقت اسے پیار کرتیں اور دعائیں کرتیں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا کہ میرے گھر میں برکتیں اور نور ہی نور ہے۔ بچے ہر وقت بڑی امی سے باتیں کرتے اور امی جان کی پیاری باتیں سنتے۔ آپ بچوں کو نبیوں کی کہانیاں سناتیں اور ان سے قاعدہ اور قرآن مجید سنتیں۔

شروع ستمبر 1987ء میں ہم کینیڈا آگئے۔ 1989ء میں امی جان پہلی بار کینیڈا تشریف لائیں۔ اس وقت ہم اپارٹمنٹ میں رہتے تھے۔ چونکہ ابھی زیادہ عرصہ بھی نہیں ہوا تھا اس لئے کوئی خاص سامان وغیرہ بھی نہ تھا۔ ایک بیڈ تھا اور باقی میٹرسس تھے۔ امی جان کے کمرے میں بیڈ سیٹ کر دیا تھا۔ چند دن بعد کہنے لگیں۔ مجھے یہاں نیند ٹھیک نہیں آتی۔ میں نے کہا کیا وجہ ہے، کہنے لگیں تم نے مجھے کیوں نہ بتایا کہ ایسے حالات ہیں۔ اور تم لوگ زمین پر سوتے ہو۔ میں نے انہیں بہت تسلی دی یہ تو وقتی بات ہے، تھوڑی دیر میں انشاء اللہ سب کچھ لے لیں گے۔ مگر ان کی طبیعت پر اثر تھا۔ لہٰذا ہم نے ان کی واپسی سے قبل سارے بیڈ وغیرہ لے لئے۔ انہوں نے بارہا یہ اظہار کیا کہ میں نے تمہارا لیبیا کا گھر دیکھا تھا۔ اس وجہ سے زیادہ احساس ہوا۔

جب حضور جلسہ کینیڈا کے موقع پر تشریف لائے تو ہمارے گھر رونق افروز ہوئے اور برکت دی۔ وہ دن ہماری زندگی کا ناقابل فراموش دن ہے جب حضور کی آمد ہمارے گھر ہوئی۔ جب حضور چائے کے لئے میز پر تشریف فرما ہوئے تو امی جان بھی قریب ہی بیٹھی تھیں۔ امی جان اکثر یاد کرتی تھیں کہ میں نے اس دن حضور سے بہت باتیں کیں۔ حضور نے سب سے پہلے امی جان سے یہ پوچھا کہ مولوی صاحب بہت دعوتیں کرتے تھے۔ اور میں نے آپ کے ہاں بہت دعوتیں کھائی ہیں۔ راستہ میں ہر ایک کو ساتھ لے لیتے اور یقیناً تعداد زیادہ ہو جاتی تھی۔ آپ کس طرح سب پورا کرتی تھیں۔ کیونکہ ہمیشہ انتظام کافی ہوتا تھا۔ امی جان نے کہا ہمیں ان کی طبیعت کا پتہ تھا۔ اس لئے اگر وہ دس کا کہتے تو اٹھارہ بیس کا انتظام رکھتے۔ حضور سن کر بہت ہنسے۔ پھر کہنے لگے مولوی صاحب کے بہن بھائی اور پہلی بیوی سے بھی بچے تھے اور آپ نے ہی سب کی شادیاں کیں۔ یہ بتائیں کہ کل کتنوں کی شادیاں کیں۔ امی جان نے کہا۔ میں نے کل 17 افراد کی شادیاں کیں۔ حضور نے فرمایا۔ ایک واقف زندگی کا سترہ (بچوں اور بہن بھائیوں کی ملا کر) شادیاں کرنا واقعی مشکل ہے۔ کیسے یہ سب انتظام ہوا۔

امی جان نے کہا۔ بس سادگی اور دعاؤں کے ساتھ سارے انتظام ہوئے۔ اسی طرح اور بھی کئی باتیں امی جان سے ہوئیں۔ جبکہ میں چائے اور لوازمات رکھنے میں مصروف رہی۔

جب حضور دعا کے بعد واپسی کے لئے اٹھے تو سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر فرمایا۔ ''مجھے آج پتہ چلا ہے کہ تم مولوی صاحب کی سب سے پیاری بیٹی تھیں۔'' شاید امی جان کی بعض باتوں سے اندازہ ہوا ہوگا۔ 1989ء میں لجنہ کا مینا بازار تھا میں اس وقت وہاں کی صدر کے طور پر کام کر رہی تھی۔ عطیہ شریف صاحبہ نے امی جان کو مہمان خصوصی کے طور پر بلایا۔ امی جان نے اس موقع پر کچھ رقم بیت الذکر فنڈ میں بھی دی وہ خود ہی ایسے مواقع کا خاص خیال رکھتی تھیں۔ امی جان کے قیام کے دوران گھر میں عجیب رونق اور برکت کی کیفیت رہتی۔ کھانا سادہ پسند کرتیں۔ اور بار بار کھانا پسند نہ کرتیں۔ اسی وجہ سے خدا کے فضل سے صحت بھی اچھی رہی۔

گھر کا بیک یارڈ امی جان کو بہت پسند تھا۔ بہت خوشی سے باہر بیٹھتیں۔ بچوں کے جھولے لگے ہوئے تھے ان پر بیٹھ کر خوش ہوتیں۔

مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل سے 14 سال تک نیشنل صدر لجنہ اماء اللہ کینیڈا کے طور پر خدمت کی سعادت ملی۔ اس پر بہت خوش ہوتیں اور جب بھی کینیڈا سے جانے والی بہنیں انہیں ملتیں ان سے ذکر کرتیں ہر خط پر میرے نام کے ساتھ صدر لجنہ کینیڈا ضرور لکھتیں۔ میں ہنستی کہ امی جان آپ کے لئے تو وہی بیٹی ہوں۔ مگر خوشی سے کہتیں کہ مجھے اس کی بہت خوشی ہے۔

خلافت سے محبت اور تعلق کا انداز اپنا ہی رنگ رکھتا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع سے اگرچہ بہت محبت اور پیار کا تعلق خلافت سے پہلے ہی سے تھا مگر خلافت کے بعد بہت ہی احترام تھا۔ جب بھی حضور کی ملاقات کے لئے جاتیں بہت اچھی طرح پردہ کر کے بیٹھتیں اور بہت کم بات کرتیں مگر واپسی پر خوشی کا انداز نمایاں ہوتا۔ لندن میں ایک بہن نے محترمہ امی جان کے متعلق حضور کی خدمت میں عرض کی کہ امام صاحب کی والدہ ماشاء اللہ اتنا علم رکھتی ہیں پھر وہ کیوں حضور سے پردہ کرتی ہیں کیا وہ نہیں جانتیں کہ حضور سے پردہ نہیں کرنا چاہئے جبکہ ہم سب تو پردہ نہیں کرتیں۔ حضور مسکرائے اور فرمایا۔ ان کا پردہ علم کے ہونے یا نہ ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس احترام اور ادب کی وجہ سے ہی ہے جو ان کے دل میں خلافت کے لئے ہے۔ میرے دل میں اس چیز کی بہت قدر ہے اور یہ بات ان کے اچھے خاندان سے تعلق کی وجہ سے ہے نہ کسی اور وجہ سے۔ گویا حضور بھی امی جان کی اس ادا کو نہ صرف پسند فرماتے بلکہ قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اسی طرح جب امی جان کی وفات کے بعد جنازہ سے قبل ہم سب بہن بھائیوں اور بھابھیوں کی حضور سے ملاقات ہوئی تو حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بھی امی جان کے متعلق فرمایا کہ وہ جب بھی ملاقات کے لئے تشریف لاتیں، زیادہ باتیں نہیں کرتی تھیں مگر مجھے محسوس ہوتا تھا کہ وہ زیر لب دعاؤں میں مصروف ہیں۔

اکثر اوقات اپنے کمرے کی کھڑکی کے پاس بیٹھ کر باہر دیکھتی رہتیں اور ذکر کرتیں کہ میں اپنے کمرے سے حضور کو نماز کے لئے بیت الذکر آتے جاتے دیکھتی رہتی ہوں اور بہت خوش ہوتیں۔ لندن میں رہنے سے خوش رہتیں اور اس کی اصل وجہ حضور کا قیام تھا اور اس قدر قریب رہنے سے انہیں گویا روحانی سکون ملتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے اور میرے میاں کریم طاہر صاحب کو 2005ء میں حج بیت اللہ کی سعادت عطا کی۔ اس سے ایک ماہ قبل میں دو ہفتے کے لئے لندن گئی اور امی جان کے پاس رہنے کا موقع ملا۔ بہت خوش ہوئیں کہ تم حج کے لئے جا رہی ہو اور تمہیں سب بچوں میں سے سب سے پہلے موقع مل رہا ہے۔

واپسی کے بعد مجھے پاؤں میں چوٹ لگ گئی جس کی وجہ سے جلد لندن نہ جاسکی۔ مئی 2007ء میں گئی اور 2 جون کو واپس آئی۔ اکثر حج کی باتیں پوچھتیں اور خوش ہوتیں۔ جب بھی لندن جاتی سب کا حال پوچھتیں دعائیں دیتیں۔ واپسی کے وقت کہتیں کریم صاحب کا خاص طور پر میری طرف سے بہت شکریہ ادا کرنا کہ تمہیں میرے پاس بھیجا اور مجھے خوش کیا۔

پیارے ابا جان کی وفات کے بعد تیس سال جس قدر وقار اور عزت سے گزارے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ سارے خاندان کے لئے آپ کا وجود نہ صرف برکتوں اور رونقوں کا موجب تھا بلکہ سب کے لئے بڑے ہوں یا بچے ایک مرکز تھا اور لندن میں حضور ایدہ اللہ سے ملاقات کے بعد آپ سے ملاقات کرنا اور دلچسپ باتیں سننا بہت بھلا لگتا۔ بچوں کے امتحان ہوتے یا کوئی مرحلہ ہوتا تو خاص طور پر بڑی امی کو دعا کے لئے کہتے۔

مورخہ 18 اگست 2007ء راشد بھائی جان امام بیت لندن کا فون آیا کہ امی جان کی صحت کافی کمزور ہو رہی ہے بہتر ہے کہ لندن آنے کا پروگرام بنالو۔ ابھی دو ماہ قبل میں لندن سے ہو کر آئی تھی اور میرا خیال اکتوبر میں رمضان کے بعد جانے کا تھا۔ مگر نجانے کیا بات تھی کہ بھائی جان سے بات کرتے ہوئے طبیعت میں بے چینی اور گھبراہٹ ہوئی اور میں نے کہا کہ میں پروگرام بنا لیتی ہوں۔

آخری چند دنوں میں امی جان کی آنکھوں میں پہچان کی روشنی نظر نہ آتی تھی۔ میں بار بار ان کی آنکھوں میں دیکھتی اور بلاتی کہ امی جان مجھے دیکھیں مجھ سے باتیں کریں مگر ۔۔۔

مجھے ایک ہفتہ قبل خدا تعالیٰ نے واضح خواب کے ذریعہ بتلا دیا تھا کہ اب وقت آگیا ہے۔ مگر دل کہاں مانتا ہے۔

6 ستمبر کی صبح 6 بجے فجر کے بعد امی جان کے لئے لیٹی دعائیں کر رہی تھیں کہ آپ کی وفات کی روح فرسا خبر ملی۔

اس غم کے موقع پر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اور محترمہ بیگم صاحبہ نے خاص شفقت کا اظہار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ جزا دے آمین۔ لندن کی بہنیں جس محبت اور خلوص سے تشریف لائیں میرے دل میں اس کی بے حد قدر ہے اور ہر ایک کا یہ کہنا تھا کہ وہ صرف آپ کی امی ہی نہ تھیں وہ سارے لندن کی امی اور بڑی امی تھیں۔ ہم سب نے ان سے فیض پایا اور پیاری باتیں سنیں۔

لندن میں بہت بڑی تعداد میں لوگ نماز جنازہ میں شامل ہوئے۔

ربوہ میں میری دونوں بہنیں محترمہ امۃ الحکیم لئیقہ اور امۃ السمیع امی جان کے انتظار میں چشم براہ تھیں۔ زندگی کے بہت سے سال لندن اور دوسری جگہوں پر گزارنے کے بعد اب امی جان ہمیشہ کے لئے ان کے پاس ربوہ جا رہی تھیں۔

وہاں سب دارالضیافت میں انتظار کر رہے تھے اور پھر نماز جنازہ کے بعد دعاؤں کے ساتھ بہشتی مقبرہ میں اپنی آرام گاہ تک پہنچ گئیں۔

آخر میں ایک بات کا ذکر کر دوں جیسا کہ میں نے بتایا مجھے امی جان کے ساتھ ایک خاص تعلق محسوس ہوتا تھا۔ جس کا اظہار اس واقعہ سے ہوتا ہے۔ تقریباً 14 سال بعد مجھے نومبر 2008ء میں پاکستان جانے کا موقع ملا۔ قادیان سے ہو کر ہم 30 نومبر کی شام ربوہ پہنچے۔ ہمارا قیام اپنی بڑی بہن امۃ الحکیم لئیقہ اور بہنوئی منیر احمد منیب صاحب کے ہاں تھا۔ ہمارے کمرہ میں بیڈ کے قریب ایک آرام دہ کرسی تھی۔ صبح ہمارا ارادہ بہشتی مقبرہ جانے کا تھا۔ جب صبح اٹھے تو کریم طاہر صاحب نے مجھے اپنا خواب سنایا۔ خواب میں دیکھا کہ پیاری امی جان بذات خود مجھے ملنے کے لئے کمرہ میں تشریف لائی ہیں اور میرے سامنے کرسی پر بیٹھ کر حال وغیرہ پوچھ رہی ہیں۔ خواب سن کر میری عجیب کیفیت تھی۔ آنکھوں سے اشک رواں تھے۔ آپ نے مجھے کس طرح تسلی دی کہ مجھے علم ہوگیا ہے کہ میری بیٹی ربوہ آئی ہے۔ جب بہشتی مقبرہ پہنچے تو پیاری امی جان کی قبر پر دعا کرتے ہوئے پیارے ابا جان کی قبر بھی سامنے تھی۔ اللہ تعالیٰ کی عجیب شان ظاہر ہوئی کہ ابا جان کے تیس سال بعد وفات پانے کے بعد ان کے قدموں کی طرف ساتویں قبر کی جگہ ملی۔ خدا کے حضور شکر گزار ہوں کہ اس نے اس طرح بھی ہمارے تالیف قلب کا سامان کیا۔ وقت، سالوں اور زمینی فاصلوں کی دوریوں کو سمیٹ کر پیارے والدین کو ابدی آرام گاہ میں اکٹھا کر کے اپنے فضل کا اظہار کیا۔ خدا کرے جنت الفردوس میں بھی میرے پیارے والدین اکٹھے ہوں۔ اور ہمارے حق میں جو دعائیں انہوں نے کیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور ہماری طرف سے ان کو ہمیشہ خوش کن اور مقبول خدمت دین کی خبریں ملتی رہیں۔ ان کی نیکیوں کے ہم اور ہماری نسلیں وارث ہوں ہمیشہ خلافت احمدیہ سے نسل در نسل وابستہ رہیں۔ وفا کا تعلق قائم رہے اور انجام بخیر ہو۔ آمین

معلوماتی خبریں

ملکی اخبارات میں سے

مختلف ممالک کی چند دلچسپ خصوصیات

روس: آکسیجن کی پیداوار میں سب سے آگے

روس کے علاقے سائبیریا کو دنیا کے پھیپھڑے سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ دنیا بھر کے جنگلات کا 25فیصد حصہ اس علاقے میں ہے۔ 50لاکھ 57ہزار سکوائر کلومیٹر پر پھیلے اس علاقے میں دنیا کے ایک تہائی درخت موجود ہیں۔ یہاں زیادہ تر Conifer (صنوبر کی قسم) پائے جاتے ہیں، جن کا شمار سدا ہرے بھرے رہنے والے درختوں میں ہوتا ہے۔ اس طرح یہ علاقہ دنیا کے دیگر علاقوں کی نسبت پورے سال سب سے زیادہ آکسیجن پیدا کرتا ہے۔

سنگاپور: نہ کھیت نہ کوئی فارم ہاؤس

سنگاپور دنیا کا واحد ملک ہے، جہاں 90فیصد غذائی اجناس درآمد کی جاتی ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ یہاں کھیت اور فارم ہاؤسز نہ ہونے کے برابر ہیں۔ یہ صورتحال ہمیشہ سے ایسی نہیں تھی۔ 1987ء کی ابتداء میں سنگاپور کو جدید ملک بنانے کا آغاز ہوا۔ جس کے باعث کھیتوں اور فارم ہاؤسز کی جگہ بلند وبالا عمارتیں تعمیر ہونے لگیں۔ اس سے پہلے سنگاپور میں 2075فارم ہاؤسز تھے۔ جو 5030 ایکڑ رقبے پر پھیلے ہوئے تھے۔ زیادہ تر کھیت آرچڑ روڈ پر تھے، جہاں تعمیراتی کام زوروں پر تھا، چنانچہ رفتہ رفتہ یہاں سے کھیت غائب ہونے لگے اور سنگاپور کی حکومت کو غذائی اجناس دیگر ممالک سے درآمد کرنا پڑیں۔ آج سنگاپور کی صرف ایک فی صد آبادی زراعت سے وابستہ ہے، جو زیادہ تر پھل اُگاتے ہیں۔

ہیٹی۔ درختوں سے محروم

بحراوقیانوس اور بحیرہ کریبین کے درمیان واقع ہسپانیولا نامی جزیرے میں دو ملک ہیٹی اور ڈومینیکن جمہوریہ واقع ہیں۔ کرسٹوفر کولمبس 5دسمبر 1492ء کو پہلی بار یہاں پہنچا تھا اور 1493ء میں اپنے دوسرے سفر میں اس نے اس جزیرے پر ہسپانوی آبادکاری کی شروعات کی تھیں۔ اس جزیرے کے ایک تہائی حصے پر ہیٹی جبکہ بقیہ دو تہائی حصے پر ڈومینیکن جمہوریہ واقع ہے۔ جزیرے کی بیشتر زمین پہاڑی ہے، جن کے درمیان زرخیز وادیاں ہیں۔ ہیٹی کے مقابلے میں اس کے پڑوسی ڈومینیکن میں جنگلات کا رقبہ بہت زیادہ ہے۔ ہیٹی کے 60فیصد عوام گھروں میں لکڑی بطور ایندھن استعمال کرتے ہیں، جس کے باعث جنگلات تیزی سے ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ ہیٹی پر قبضے کے دوران فرانس نے 1730ء میں یہاں کافی متعارف کروائی اور ملک کے ایک چوتھائی جنگلات صاف کر کے وہاں کافی، تمباکو اور گنا کاشت کیا گیا۔ 1923ء میں ہیٹی میں 60 فیصد رقبے پر جنگلات تھے، جو آج ایک فیصد سے بھی کم رہ گئے ہیں۔

سرینام: درختوں کی سرزمین

ہیٹی کے مقابلے میں سرینام میں ہر جگہ درخت ہی درخت نظر آتے ہیں۔ براعظم جنوبی امریکا کے شمال مشرقی ساحلی علاقے میں واقع اس چھوٹے سے ملک کا 94.6فیصد رقبہ جنگلات سے ڈھکا ہوا ہے۔ سرینام کا کل رقبہ 63ہزار 251 سکوائر میل ہے، جس میں 56ہزار 280 سکوائر میل پر جنگلات واقع ہیں۔ سرینام کی آبادی 5لاکھ 73 ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ جنگلات کی بہتات کے باعث 5لاکھ کے قریب شہری دارالحکومت پارا ماریبو کی ساحلی پٹی کے قریب رہنا پسند کرتے ہیں، آبادی کا بہت کم حصہ ملک کے اندرونی حصوں میں رہائش پذیر ہے۔ 2000ء میں یہاں سونے کی کان کنی کی شروعات ہوئیں، جس کا خمیازہ جنگلات کو بھگتنا پڑا۔ کان کنی کیلئے 2001ء میں 3.86 سکوائر میل رقبے پر پھیلے جنگلات صاف کردیئے گئے۔ پھر ہر سال اس میں 11 سکوائر میل رقبے کا اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ 2014ء آتے آتے کان کنی میں 893فی صد اضافہ ہوگیا اور 22اسکوائر میل تک درختوں کا صفایا کردیا گیا۔ جنگلات کی صفائی اور کان کنی کا یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

لیبیا: سب سے ریتلا

لیبیا دنیا کا واحد ملک ہے، جس کا 90فیصد رقبہ ریگستان پر مشتمل ہے۔ لیبیا کا کل رقبہ 17لاکھ 59ہزار سکوائر کلومیٹر ہے، جس میں 11لاکھ سکوائر کلومیٹر رقبہ ریگستانی ہے۔ لیبیا کے بعض علاقے ایسے بھی ہیں، جہاں صدیوں سے بارش کی ایک بوند تک نہیں پڑی۔ ان علاقوں کا شمار دنیا کے بنجر ترین خطوں میں کیا جاتا ہے۔

منگولیا: کم گنجان آباد

منگولیا کا شمار دنیا کے سب سے کم گنجان آباد ملک میں ہوتا ہے، جہاں ایک سکوائر میل کے رقبے پر صرف چار افراد رہتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں ہانگ کانگ کی ڈسٹرکٹ Mong Kok دنیا کا سب سے گنجان آباد علاقہ ہے، جہاں ایک سکوائر میل کے دائرے میں 3لاکھ 40ہزار لوگ بستے ہیں۔ منگولیا کو یہ اعزاز اس لئے حاصل ہوا کہ یہاں رقبے کے مقابلے میں آبادی بہت تھوڑی ہے۔ منگولیا کا رقبہ 6لاکھ سکوائر میل سے زیادہ ہے، جبکہ آبادی صرف 30لاکھ 42ہزار ہے۔ واضح رہے کہ پاکستان کا رقبہ 3لاکھ 40ہزار 509 سکوائر میل ہے جبکہ آبادی 19 کروڑ کے قریب ہے۔ گویا منگولیا رقبے کے لحاظ سے پاکستان سے دگنا بڑا ہے اور اس کی آبادی پاکستان کی آبادی سے کئی گنا کم ہے۔

فاک لینڈ: انسان کم، بھیڑیں زیادہ

جنوبی بحیرہ اوقیانوس میں واقع جزائر فاک لینڈ ارجنٹینا کا حصہ تھا، جس پر برطانیہ نے بیسویں صدی سے قبضہ کر رکھا ہے۔ اگرچہ یہاں خود مختار حکومت ہے، لیکن دفاع اور خارجہ پالیسی برطانیہ کے ہاتھ میں ہے۔ اسی لئے اسے سمندر پار برطانوی علاقہ کا درجہ دیا گیا ہے اور یہاں بسنے والے افراد برطانوی شہری تصور کئے جاتے ہیں۔ ان جزائر کی آبادی محض 3ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ جزائر کی خاص بات یہ ہے کہ یہاں انسانوں سے زیادہ بھیڑیں بستی ہیں، جن کی تعداد 5لاکھ کے قریب ہے۔ اس طرح ہر شخص کے، مقابلے میں 166 بھیڑیں ہیں۔ بھیڑوں کی کثرت کی وجہ سے اون کی صنعت جزیرے کی اہم ترین برآمد تصور کی جاتی ہے۔

مالٹا: شہریوں کی اکثریت ملک سے باہر

مالٹا براعظم افریقہ اور یورپ کے درمیان بحیرہ روم کا ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے، جس کا رقبہ صرف 122 سکوائر میل ہے اور آبادی 4لاکھ 45ہزار کے قریب ہے۔ مالٹا کی خراب معیشت اور بلند شرح پیدائش کے باعث ملک میں روزگار کے مواقع سکڑتے جا رہے ہیں۔ چنانچہ ملک کی آدھی سے زیادہ آبادی روزگار اور تعلیم کے سلسلے میں دیگر ممالک میں مقیم ہے۔ 2013ء میں یورپی یونین کے 28ممالک نے سب سے پہلے مالٹا کے شہریوں کو ریذیڈنٹ پرمٹ جاری کئے تھے۔ آج مالٹا کے شہریوں کی اکثریت یورپی ممالک و آسٹریلیا کینیڈا اور امریکہ میں مقیم ہے۔

یوکرائن: مرنے میں جلدی

یوکرینی عوام مرنے میں بہت جلدباز واقع ہوئے ہیں۔ مرنے کے معاملے میں یوکرینیوں نے دیگر اقوام کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ آبادی کے تناسب سے یہاں ہر سال 8فیصد لوگ مرجاتے ہیں۔ خدشہ ہے کہ اگر مرنے کی رفتار یہی رہی تو 2050ء تک یوکرائن کی 30فیصد آبادی ختم ہو جائے گی۔

(روزنامہ دنیا 13مارچ 2016ء)

☆............☆............☆

ابوبکر الرازی

مشہور طبیب۔ ماہر کیمیا دان اور فلسفی

ابوبکر محمد بن زکریا الرازی 864ھ (250ھ) میں ایران کے شہر ''رے'' میں پیدا ہوا۔ رے کی نسبت سے وہ ''رازی'' کہلاتا ہے۔ اس نے طبری (مشہور طبیب) سے جامعہ طبیہ بغداد میں تعلیم پائی۔ انتہائی کم عمری میں اسے ''رے'' کے شاہی دواخانے کا سربراہ بنادیا گیا۔

30سال کی عمر میں وہ بغداد چلا آیا جہاں اس نے ادب اور علوم عقلیہ کی تعلیم حاصل کی۔ ابتداء میں اسے سارنگی بجانے کا بہت شوق تھا۔

رازی نے بغداد کی ایک طبی درسگاہ سے طب کی تعلیم حاصل کی۔ علی بن ربن کو سرکاری حکام تک رسائی حاصل تھی۔ اس نے اپنے شاگرد رازی کو ایک سرکاری ہسپتال میں افسر اعلیٰ کا عہدہ دلوادیا۔ وہ کافی عرصہ سرکاری ہسپتال میں طبی خدمات انجام دیتا رہا۔ بحیثیت ایک طبیب اس کی خوبی یہ تھی کہ وہ لوگوں کے علاج میں متوازن غذا اور اس کے استعمال میں تسلسل پر زور دیتا اور اس سلسلے میں نفسیات کو بھی ذہن میں رکھتا۔

رازی اپنی بنائی ہوئی ادویات کا استعمال سب سے پہلے جانوروں پر کرتا تاکہ اچھے اور برے اثرات سے آگاہی ہو سکے۔ مریض کو بے ہوش کرنے میں افیون کا اور سینے کے زخم کیلئے تانت کا استعمال اس کی ایجاد ہے۔ آنکھوں کے علاوہ جلدی بیماریوں میں پارے کا مرہم اور دوسری ادویات بھی اس نے ایجاد کیں۔ چیچک اور خسرہ کو علیحدہ علیحدہ مرض قرار دینے کا اعزاز بھی رازی کو حاصل ہے۔

''الحاوی'' کے عنوان سے اس نے طب کے موضوع پر کتاب لکھ کر خاصی شہرت کمائی۔ یہ کتاب اس نے 15برس کی طویل مدت میں لکھی۔ اس کے انتقال تک یہ کتاب مکمل نہیں ہوئی تھی۔ بعدازاں اس کے شاگردوں نے اسے مکمل کیا۔ ''المنصوری'' بھی اس کی مشہور کتاب ہے۔ کیمیا کے موضوع پر اس نے ''کتاب الاسرار'' لکھی۔ اس میں اس نے کیمیائی عمل میں استعمال ہونے والے 20آلات کا ذکر کیا۔ یہ کتاب بڑی عمدہ اور عام فہم زبان میں ہے۔ اس نے 200کے قریب کتابیں لکھیں۔ اس کے تحریر کردہ 40کے قریب قلمی نسخے دنیا کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

رازی نے اپنی عمر کے آخری دس بارہ سال اپنے آبائی وطن ''رے'' میں گزارے۔ آخری عمر میں اس کی بینائی جاتی رہی۔ بالآخر 925ء (313ھ) میں وہ اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔

مرنے کے بعد یہ ''جالینوس العرب'' کے لقب سے مشہور ہوا۔ اسے اسلامی دنیا کا سب سے بڑا طبیب مانا جاتا ہے۔ اس کی کتاب ''الحاوی'' طبی انسائیکلوپیڈیا تصور کی جاتی ہے۔

(شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا)